فتاویٰ عالمگیری

(٦)

شیخ احمد بن ابوالمنصور گوپامئوی

عالم وفقیہ الشیخ احمد بن ابوالمنصور خطیب گوپامئوی، اکابر فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ گوپامئو کے علمی خطے میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد شیخ ابوالمنصور اور شیخ علامہ احمد بن ابوسعید حنفی امیٹھوی سے علم حاصل کیا۔ ہمیشہ علمی مباحث میں مشغول رہے اور ان کا شمار فقہ اور علوم عربیہ کے نامور علما میں ہونے لگا۔ اسی وجہ سے عالم گیر نے، فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب کے لیے ان کی خدمات حاصل کیں اور ایک روپیہ یومیہ اور کچھ غلہ ان کا وظیفہ مقرر کیا، جس کا عالم گیر کی طرف سے ایک باقاعدہ تحریری دستاویز کی صورت میں ان سے عہد کیا گیا۔ اس پر ۱۱ ذی قعدۃ الحرام ۱۰۷۸ھ کی تاریخ مرقوم ہے۔ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے کہ یہ وظیفہ انھیں شیخ وجیہ الدین گوپامئوی کی تصدیق سے دیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں شیخ احمد بن ابوالمنصور نے اپنے شیخ و استاذ شیخ احمد بن ابوسعید امیٹھوی کی معیت میں حجاز کا سفر بھی کیا اور حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور وہیں وفات پائی — یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ شیخ احمد بن ابوسعید امیٹھوی نے دو مرتبہ سفر حجاز کیا۔ ایک مرتبہ ۱۱۰۲ھ میں حجاز گئے اور پانچ سال تک وہاں قیام فرما رہے۔ دوسری مرتبہ ۱۱۱۲ھ میں گئے۔ یہ معلوم نہیں کہ شیخ احمد بن ابوالمنصور ان کے ساتھ پہلی مرتبہ گئے یا دوسری مرتبہ؟[۱]

ان کے استاذ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے استاذ الشیخ علامہ احمد بن ابوسعید امیٹھوی کے بارے میں

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ٦، ص ۲۱، ۲۲

بھی کچھ عرض کر دیا جائے — یہ بہت بڑے عالم اور ہندوستان کی مشہور شخصیت ہیں اور یہ وہی بزرگ ہیں، جنھیں "ملا جیون" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ بروز منگل مورخہ ۲۵ شعبان ۱۰۴۷ھ کو شہر امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ علم و فضل کی گود میں تربیت پائی اور اپنے والد مکرم کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ حافظہ اس درجہ تیز تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ پھر کتبِ درسیہ کی تقدیم و تاخیر کا لحاظ کیے بغیر حصولِ علم میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳ سال کی عمر کو پہنچے تو والد فوت ہو گئے اور اکثر کتبِ درسیہ شیخ محمد صادق ستر کھی سے اور بعض مولانا لطف اللہ کاکوروی سے پڑھیں۔ بائیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ پھر اپنے شہر ہی میں سلسلۂ تدریس شروع کر دیا۔ دہلی میں بھی خاصا عرصہ مقیم رہے اور وہاں درس دیتے رہے، جس سے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ ۵۵ سال کی عمر میں حرمین شریفین گئے اور فریضۂ حج ادا کیا۔ وہاں خاصی مدت قیام فرمایا۔ پھر واپس ہندوستان آ گئے اور چھ سال بلادِ دکن میں اورنگ زیب عالم گیر کے فوجی ٹھکانوں میں اقامت پذیر رہے۔ ۱۱۱۲ھ میں دوبارہ سرزمینِ حجاز تشریف لے گئے اور مناسکِ حج ادا کیے، ایک مرتبہ والد کی طرف سے اور ایک مرتبہ والدہ کی جانب سے۔ وہاں نہایت غور و فکر سے اور شروح سامنے رکھ کر صحیحین کا درس بھی دیا۔ ۱۱۱۷ھ میں وطن واپس آئے۔

ملا جیون، متعدد بہترین اور مشہور کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سب سے مشہور تفسیر احمدی ہے، جو ۱۰۶۴ھ میں (اپنے شہر امیٹھی میں) اس وقت لکھنا شروع کی جب ان کی عمر صرف ۱۶ برس تھی۔ وہ طالب علمی کا زمانہ تھا اور حماسی پڑھتے تھے۔ کتاب کی تصنیف سے ۱۰۶۹ھ میں فارغ ہوئے، اس وقت بھی طالب علم تھے اور شرح المطالع زیرِ درس تھی۔ اصولِ فقہ کی نور الانوار فی شرح المنار بھی ان کی تصنیف ہے، جو درسِ نظامیہ میں باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ یہ کتاب جو اپنی جگہ نہایت اہم کتاب ہے، قیامِ مدینہ منورہ کے دوران صرف دو مہینے میں تصنیف کی، یعنی یکم ربیع الاول ۱۱۰۵ھ میں لکھنا شروع کی اور ۷ جمادی الاولی ۱۱۰۵ھ میں مکمل کر لی۔ علاوہ ازیں مناقب الاولیا اور آدابِ احمدی وغیرہ کئی کتابیں ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ عربی اور فارسی کے بہت اچھے شاعر بھی تھے۔

بہرحال مُلّا جیون نہایت ذکی، تیز ذہن اور تفسیر، حدیث، فقہ، اور اصول فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ منگل کی رات ۹ ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ کو (۸۳ سال عمر پاکر) دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں نواب میر محمد شفیع دہلوی میں دفن کیے گئے۔ پھر پچاس روز کے بعد وہاں سے نکال کر جسدِ مبارک آبائی شہر امیٹھی میں منتقل کیا گیا اور اپنے مدرسہ میں دفن کیے گئے[1]

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"ملا جیون امیٹھوی، نامِ او شیخ احمد بن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصہ خدا، الصدیقی نسباً، الحنفی مذہباً، المکی اصلاً، الصالحی بطناً، الامیٹھوی مولداً۔ قوتِ حافظ بغایتے داشت کہ قصیدہ بشنیدن یک بار یاد می گرفت وعبارت کتب درسیہ بلامعاینہ کتاب زبانی می خواند۔ اولاً قرآن مجید حفظ کردہ۔ کتب درسیہ از علمائے عصرِ خود تحصیل نمودہ۔ فاتحہ فراغ بخدمت ملا لطف اللہ ساکن کوڑہ جہان آباد خواند۔ پس ازاں بحضور محی الدین اورنگ زیب پادشاہ باریاب شدہ۔ پادشاہ موصوف بتعظیم و توقیر تمام پیش آمدہ۔ بحلقۂ تلامذہ وے درآمد و تا زندگی پا از جادۂ ادبش بیرون ننہاد۔ ہم چنیں اولادِ بادشاہِ موصوف مراعی آدابش بودند۔ ملا ممدوح الذکر عمر عزیزش را بافادۂ درس و تصنیف صرف نمودہ۔ بزیارتِ حرمین شریفین مشرف شدہ۔ از غرہ ربیع الاول سن یازدہ صد و پنج ہجری تسوید نورالانوار شرح منار آغاز کردہ، بہ ہفتم جمادی الاولیٰ سالِ مذکور در حرم شریف مدینۂ منورہ بلا اعانتِ کتابے باختتام رسانیدہ۔ و نیز تفسیر احمدی در شرحِ آیاتِ احکامی، از تصانیف شہیرہ اوست۔ در یازدہ صد و سی ہجری بدہلی وفات یافتہ نعشِ او بہ امیٹھی آوردہ، دفن کردند۔ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ[2]

مولانا عبدالفتاح صمدانی

فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنے والے علمائے کرام کی بلند بخت جماعت کے ایک اہم رکن مشہور فقیہ و عالم مولانا الشیخ ابوالفرح عبدالفتاح بن ہاشم حسینی صمدانی بھی تھے۔ ان کا شمار دورِ گزشتہ کے مشاہیر فقہائے ہند میں ہوتا ہے۔ انھوں نے مرکزِ علم جون پور میں سید محمد جون پوری سے اخذِ علم کیا۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سید محمد زاہد بن محمد اسلم حنفی ہروی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے اور علم و فضل میں یہاں تک ترقی کی کہ علمائے عظام کی اس جماعت میں شرکت کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۱۹ تا ۲۱

[2] تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۵

ہوئے، جنھوں نے فتاویٰ عالم گیری تصنیف کرنے کی اہم علمی وفقہی خدمت انجام دی۔ مولانا عبدالفتاح صمدانی اس جماعت کے وہ سرگرم رکن تھے کہ جنھوں نے اپنی تمام مساعی اس کام کے لیے وقف کر دیں[1]۔

اساتذہ

مولانا عبدالفتاح کے اساتذہ میں سے دو علمائے کرام کا علم ہو چکا ہے۔ ایک سید محمد زاہد ہروی کا اور دوسرے مولانا سید محمد جون پوری کا۔ سید محمد زاہد ہروی اگرچہ اصلاً علاقہ کابل کے باشندے تھے لیکن ہندوستان میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی منطق وفلسفہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ ذہانت، فطانت اور ذکاوت میں عدیم النظیر تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں فتویٰ وتدریس کے قابل ہو گئے تھے۔ شاہ جہاں بادشاہ سے بھی ان کا تعلق رہا اور اورنگ زیب عالم گیر سے بھی تمام عمر درس وتدریس میں صرف کر دی۔ شرح المواقف، شرح التہذیب، رسالہ قطبیہ وغیرہ کتابوں پر انھوں نے حواشی لکھے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو درسِ نظامیہ میں متداول ہیں اور باقاعدہ پڑھائی جاتی ہیں۔ شاہ جہان نے ان کی قابلیت سے متاثر ہو کر رمضان ۱۰۶۴ھ میں کابل میں سوانح لکھنے پر متعین کیا۔ ان کی وفات ۱۱۰۱ھ میں شہر کابل میں ہوئی[2]۔

مولانا عبدالفتاح صمدانی کے دوسرے استاذ سید محمد جون پوری کے حالات، افسوس ہے، معلوم نہیں ہو سکے۔

قاضی عصمت اللہ لکھنوی

فتاویٰ عالم گیری کے ایک مولف قاضی عصمت اللہ عمری لکھنوی تھے، جو قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اٹھارہ واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب مشہور بزرگ اور شہرۂ آفاق صوفی حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ قاضی عصمت اللہ بڑے فاضل آدمی تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں پرورش پائی۔ اپنے والد مکرم (قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی) اور مفتی وجیہ الدین گوپاموی (یکے از مرتبین فتاوی عالم گیری) سے تعلیم حاصل کی۔ طریقت وسلوک کی

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۱۵۶ (بحوالہ عزیز التواریخ)

[2] تفصیلات کے لیے دیکھیے نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۳۰۶ تا ۳۰۸

منزلیں طے کرنے کے لیے شیخ پیر محمد سلونی سے منسلک ہوتے۔ پھر بادشاہِ ہندوستان عالم گیر سے رابطہ پیدا ہوگیا تو اس نے ان کو مراد آباد کا والی مقرر کر دیا۔ اس عہدہ پر خاصی مدت فائز رہے۔ بعد ازاں مختلف شہروں میں منتقل ہوتے رہے۔ بڑے سخی، ایثار پیشہ اور مستحقین پر مال و دولت خرچ کرنے والے تھے۔ علماء و مشائخ کا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ ان کو خراجی زمین کے ایک لاکھ کاشت کار (جن کے ساتھ کثیر تعداد میں مولیشی بھی تھے) دیے اور اپنی جاگیروں سے سات گاؤں عطا فرماتے۔ طلبا سے تعلقِ خاطر کا یہ عالم تھا کہ روزانہ دو سو طلبائے علم کو کھانا کھلاتے اور رمضان شریف میں روزانہ ایک ہزار آدمی کو اپنے لنگر سے کھانا مہیا کرتے۔

یہ عظیم القدر عالم دین بھی فتاویٰ عالم گیری کے مصنفین میں سے تھے۔

قاضی عصمت اللہ لکھنوی کی وفات ساحل نربدہ پر اس وقت ہوئی جب وہ بلادِ دکن سے لوٹ رہے تھے۔ یہ ۲ رجب ۱۱۱۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۶ سال تھی۔[1]

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

"مولوی عصمت اللہ لکھنوی خلفِ اکبر مولوی عبدالقادر و مریدِ شیخ پیر محمد سلونی۔ وے حافظ قرآن و عالم علوم عربیہ بود و در علم و عمل از برادرانِ خود، فوقیت داشت۔ لباسِ سپاہیانہ را غشاوۂ حال خود ساختہ بصورت اغنیا در صحبت بادشاہ مستور بود۔ دوم رجب سال یک ہزار و یک صد و سیزدہ ہجری شبِ شنبہ براہِ دکن در موضع بربندہ وفات یافتہ و ہفتدہم شوال سنِ مذکور بروز جمعہ در موضع بھدانوہ متصل بلدہ لکھنؤ مدفون گردندش۔ خلد اللہ مع ابرار النعیم تاریخ رحلت دلیست۔"[2]

اساتذہ

سطور بالا میں قاضی عصمت اللہ لکھنوی کے اساتذہ اور مرشدوں میں تین حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک مفتی وجیہ الدین گوپاموی کا دوسرے ان کے والد مولانا عبدالقادر عمری لکھنوی کا اور تیسرے پیر محمد سلونی کا۔ مفتی وجیہ الدین گوپاموی کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ دوسرے دو حضرات کا تعارف سطور ذیل میں کرایا جاتا ہے:

ان کے والد گرامی مولانا عبدالقادر عمری لکھنوی، فضلائے ہند اور اپنے دور کے اکابر علما میں سے تھے۔ ایک روایت

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۱۷۹، ۱۸۰ (بحوالہ بحر زخار) [2] تذکرۂ علمائے ہند، ص ۱۴۰۔

کے مطابق ۹۹۶ھ میں لکھنؤ میں ایک روایت کے مطابق ۹۹۴ھ میں کمنڈی میں پیدا ہوئے جو لکھنؤ کے قریب ایک گاؤں تھا۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ ازاں بعد حصولِ تعلیم کی غرض سے لاہور اور دیگر بلادِ ہند کا سفر کیا، تکمیلِ تعلیم کے بعد شہر لکھنؤ میں مسند درس بچھائی اور بے شمار لوگوں کو زیورِ علم سے آراستہ کیا، جن میں شیخ پیر محمد سلونی، سید محمد شفیع دہلوی، سید محمد قنوجی، شیخ قطب الدین سہارن پوری، سید غلام مصطفیٰ اشرفی جائسی، شیخ محمد زمان کاکوروی، شیخ مجتبیٰ قلندر لاہوری، سید حسن رسول نما دہلوی۔ قاضی معین الدین مہونوی، قاضی شرف الدین لکھنوی، قاضی عبداللطیف بہرائچی، قاضی حبیب اللہ سندیلوی، مولانا عبداللہ سندیلوی مولانا رکن الدین محدث دہلوی، شیخ فتح اللہ قنوجی، مولانا جعفر صدر پوری، مولانا علیم اللہ گجندوی، مولانا ابوسعید لکھنوی شیخ مرتضیٰ، نواب مختار خاں امیر بنگالہ، شیخ مصلح الدین لکھنوی اور بہت سے لوگ شامل ہیں۔[1]

مولانا عبدالقادر لکھنوی کی وفات ۸۲ سال کی عمر میں، ۲۷ شعبان ۱۰۷۶ھ میں ہوئی۔ قبر لکھنؤ میں ہے۔ بعض لوگوں نے ان کی تاریخ وفات "رضی اللہ" سے نکالی ہے۔[2] شیخ رفیع الدین مرادآبادی کے حالات میں جو رسالہ لکھا گیا ہے اس میں اس طرح مرقوم ہے۔

شیخ پیر محمد سلونی، ان کے مرشد روحانی تھے، جن کا شمار مشہور مشائخ ہند میں ہوتا تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ پیر محمد بن عبدالنبی بن ابوالفتح بن ہداد بن منّ اللہ بن بہاء الدین عمری جون پوری، ثم سلونی۔ ۹۹۶ھ میں سلون شہر میں پیدا ہوئے اور بغرضِ حصولِ علم مانک پور کا سفر کیا اور اس سلسلے میں اپنی تمام مساعی وقف کر دیں۔ قیام مانک پور کے دوران میں ان کی ملاقات شیخ عبدالکریم بن سلطان مانک پوری سے ہوئی۔ شیخ اپنے مدرسے جا رہے تھے کہ انھوں نے ان سے پوچھا آپ کون سی کتابیں پڑھتے ہیں۔؟ کہا ہدایۃ الفقہ اور تفسیر بیضاوی۔ فرمایا۔ میرے پاس آؤ۔ جو چاہو، میں تمھیں پڑھاؤں گا۔؟ لیکن پیر محمد سلونی چونکہ شیخ عبدالکریم کے مرتبۂ علم اور ان کے مذہب و مشرب سے واقف نہ تھے، لہٰذا ان کی بات کی طرف عنانِ توجہ مبذول نہ کی۔ اتنے میں اپنے استاذ کی خدمت میں پہنچے اور درس کے لیے ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھے تو نہ خود پڑھنے پر قادر ہو سکے اور نہ استاذ پڑھانے پر۔ استاذ کو اس غیر متوقع صورتِ حال سے بڑا تعجب ہوا اور اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ انھوں نے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو اُن کے اور شیخ عبدالکریم کے درمیان پیش آیا تھا۔ اب استاذ نے شاگرد کو ساتھ لیا اور شیخ عبدالکریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے طالبِ معذرت و عفو ہوئے۔ بعد ازاں پیر محمد سلونی شیخ عبدالکریم سے چھ مہینے وابستہ رہے۔ ان سے ہدایہ اور بیضاوی پڑھی

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۲۳۳-۲۳۴ (بحوالہ راحۃ الارواح)
[2] ایضاً

اور طریقت وسلوک حاصل کیا۔ جب تصوّف وارشاد کی تمام منزلیں طے کر چکے تو شیخ عبدالکریم نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا اور ان کے شہر سلون بھیج دیا۔

اس زمانے میں بے شمار غیر مسلم پیر محمد سلونی کے وعظ ونصیحت اور توجہ خاص سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس دور میں ہندوؤں کا ایک گروہ جو سناسیوں کے نام سے موسوم تھا، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گھوم رہا تھا۔ ان سے انھوں نے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو۔؟ انھوں نے جواب دیا، ہم بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔! یہ سن کر انھوں نے ان لوگوں کو تبلیغِ اسلام کی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ بہر حال یہ تلقین وارشاد میں مصروف رہے اور سید علاء الدین سندیلوی اور سید بدرالدین بریلوی ایسے بے شمار مشائخ نے ان سے استفادہ کیا۔ عالم گیر کو ان کی نیکی اور تدین کا پتہ چلا تو اس نے دو گاؤں بطور جاگیر عطا کیے، جو اب تک ان کے ورثا کی ملکیت میں ہیں جن سے حکومت نے تعرض نہیں کیا۔

ان کی وفات ۲۲ محرم الحرام ۱۰۹۹ھ کو سلون شہر میں ہوئی اور وہیں دفن کیے گئے۔[۱]

قاضی محمد دولت فتح پوری

• فتاویٰ عالم گیری کے یہ مرتب یعنی قاضی محمد دولت فتح پوری، اپنے عصر کے فاضل علمائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ قاضی محمد دولت بن محمد یعقوب بن فرید بن سعد اللہ بن احمد بن حافظ الدین انصاری سہالوی۔ ان کے والد محمد یعقوب شیخ محب اللہ عمری الہ آبادی کے بھانجے تھے اور دادا حافظ الدین، شیخ قطب الدین عبدالحلیم سہالوی کے بھی دادا تھے۔ قاضی محمد دولت، شیخ محمد عاشق بن عبدالواحد کراتوی کے چچا اور علامہ شیخ کمال الدین فتح پوری کے والد تھے۔

قاضی محمد دولت موضع سہالی میں پیدا ہوئے، وہیں نشو ونما ہوئی اور وہیں شیخ قطب الدین بن عبدالحلیم سہالوی سے علم حاصل کیا۔ الرسالۃ القطبیہ کے بیان کے مطابق شیخ شہید نے انھیں متبنیٰ بنا لیا تھا۔ شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعد ۱۱۰۳ھ میں یہ سہالی سے فتح پور منتقل ہو گئے اور وہاں اپنے سسر ابوالرافع الحسامی کے گھر میں رہنے لگے۔ وہاں سے دہلی گئے اور فتاویٰ عالم گیری کے

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۹۵، ۹۶۔

زمرۂ مؤلفین میں شامل ہو گئے۔ چونکہ یہ شیخ محب اللہ الہ آبادی سے تعلقِ قرابت رکھتے تھے، اس لیے سید محمد الحسینی قنوجی نے عالم گیر سے ان کی سفارش کی اور اس نے ان کو شہر سورت کے محکمۂ قضا پر متمکن کر دیا۔ اغصان الانساب کی روایت کے مطابق قاضی مقرر ہو کر سورت جا رہے تھے کہ اثنائے سفر میں راہزنوں کے چنگل میں پھنس گئے اور انھوں نے ان کو قتل کر دیا۔[1]

ان کے استاذ

قاضی محمد دولت فتح پوری کے استاذ علامہ شیخ قطب الدین شہید بن عبد الحلیم بن عبد الکریم انصاری سہالوی معقول و منقول کے اکابر اور نامور علما میں سے تھے۔ سہالی میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ سہالی ایک گاؤں ہے، جو لکھنؤ کے نواح میں واقع ہے۔ صغر سنی میں ہی حصولِ علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ ان کے اساتذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے، جن میں قاضی عبد القادر لکھنوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ نہایت ذہین و فطین بھی تھے اور انتہائی نیک اور متقی بھی۔! سلسلۂ چشتیہ سے منسلک تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ تہجد میں ایک ہی رات میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ ساتھ ہی طلبا کو باقاعدہ تعلیم دیتے، البتہ منگل اور جمعہ کے روز تدریس کی چھٹی کرتے اور ان دو دنوں میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے۔ ان کی تصنیفات کا دائرہ بھی وسیع تھا لیکن اکثر تصنیفات ان کی شہادت کے موقع پر ضائع ہو گئیں، جو کسی طرح محفوظ رہ گئی ہیں، وہ یہ ہیں: الامور العامہ پر حاشیہ، التلویح پر حاشیہ، شرح حکمت العین پر حاشیہ، شرح العقائد العضدیہ پر حاشیہ، شرح العقائد النسفیہ پر حاشیہ، مطول پر حاشیہ اور ایک رسالہ تحقیق دار الحرب۔

ان کے تلامذہ کی فہرست بھی بڑی طویل ہے اور اس میں بڑے بڑے جید اور فاضل حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

شیخ قطب الدین کو شہادت کی موت نصیب ہوئی، وہ اس طرح کہ یہ انصاری برادری سے تعلق رکھتے تھے جو سہالی میں ایک بااثر برادری تھی۔ وہاں ایک دوسری برادری بھی تھی جو عثمانی کہلاتی تھی۔ ان دونوں برادریوں کے درمیان جائداد میں شراکت کے بارے میں جھگڑا پیدا ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۳۰۳

عثمانی برادری نے مولانا قطب الدین پر دھاوا بول دیا، ان کے گھر میں گھس آئے، مکان کو آگ لگادی اور خود مولانا کو قتل کر دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ شیخ قطب الدین کے دادا نے ایک مفلس اور مالی اعتبار سے کم حیثیت آدمی کو اپنی زمین میں جگہ دی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی اولاد مال دار ہوگئی اور سہالی کے نواح میں کئی دیہات ان کی ملکیت میں آگئے۔ بعد میں ان کے درمیان جھگڑا پیدا ہوگیا جس کے نتیجے میں شیخ قطب الدین ان کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ ان کا مکان نذر آتش کردیا گیا اور ان کے بیٹے نظام الدین جو ۱۴ سال کی عمر کے تھے، گرفتار کر لیے گئے۔ ان کے دوسرے بیٹے محمد سعید جو فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں سے تھے) اپنے اہل و عیال اور بھائیوں سمیت لکھنؤ آگئے۔ پھر عالم گیر بادشاہ سے ملے اور اس سے تمام واقعہ بیان کیا۔ عالم گیر نے ان کو لکھنؤ میں ایک محل عطا کیا جس میں ایک فرنگی تاجر رہائش رکھتا تھا اور اب اپنے وطن واپس چلا گیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ محلہ فرنگی محلی کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ ۱۱۰۳ھ کا واقعہ ہے۔ شیخ قطب الدین رحمہ اللہ ۶۳ سال کی عمر میں شہید کیے گئے[1]۔

شیخ شہید کی اولاد

شیخ قطب الدین شہید کی اولاد میں سے دو لڑکے بہت مشہور اور نامور عالم تھے۔ ایک محمد سعید (جو مصنفینِ فتاویٰ عالم گیری کی جماعت میں شامل تھے اور جن کے حالات آئندہ سطور میں بیان کیے جائیں گے) دوسرے شیخ نظام الدین لکھنوی۔ (چونکہ یہ باپ کی شہادت کے بعد مستقل طور سے لکھنؤ آگئے تھے، اس لیے لکھنوی کہلوائے) بہت بڑے علامہ، تمام علوم و فنون میں یگانہ، تحقیق و کاوش میں بے نظیر اور اصول، منطق اور علم کلام میں عدیم المثال تھے۔ بے شمار علما کے استاذ اور بہت سے اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے۔ علوم میں وسعتِ نظر اور فنونِ متقدمین پر بدرجہ غایت عبور رکھنے والے، بہت بڑے عارف، زاہد، مجاہد، عبادت گزار، بلند اخلاق، متواضع، منکسر المزاج، لوگوں کے ہم درد و خیر خواہ اور ان سے انتہائی انس و تعلق رکھتے تھے۔ ان کا اندازِ تدریس انتہا

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۲۳۰، ۲۳۱ (بحوالہ سبحۃ المرجان اور الرسالۃ القطبیہ) نیز ملاحظہ ہو۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۱۶۷، ۱۶۸۔

دلکش اور موثر تھا کہ طلبا ان پر ٹوٹ پڑتے۔ ہندوستان میں بہت سے مدارس میں مسندِ درس بچھانے کی سعادت حاصل کی۔

ان کے اساتذہ میں مُلا علی قلی جالسی، حافظ امان اللہ بن نور اللہ بنارسی، شیخ غلام نقشبند بن عطاء اللہ لکھنوی وغیرہ جلیل القدر علما ہیں۔ چالیس سال کی عمر میں شیخ عبد الرزاق بن عبد الرحیم حسینی بانسوی سے بیعت ہوئے اور ان سے تصوّف و طریقت کی تعلیم حاصل کی۔

سید غلام علی الحسینی بلگرامی سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں کہ میں ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ میں لکھنو گیا اور شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ان کو سلف صالحین کے طریقے پر پایا۔ ان کی پیشانی پر نورِ تقدیس چمک رہا تھا۔

ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے اور ان میں سید کمال الدین عظیم آبادی، سید ظریف عظیم آبادی، علامہ کمال الدین فتح پوری، شیخ عبد اللہ امیٹھوی، مولانا محمد مالکی تلمسانی، شیخ حمد اللہ بن شکر اللہ سندیلوی اور خود ان کے بیٹے ملک العلما عبد العلی محمد وغیرہ بے شمار حضرات اجلّہ علما شامل ہیں۔

شیخ نظام الدین بہترین مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے سلم الثبوت کی دو شرحیں، منار الاصول پر شرح، تحریر الاصول پر شرح، المبارزیہ کی شرح، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر حاشیہ، الشمس البازغہ پر حاشیہ، شرح العضدیہ پر حاشیہ وغیرہ ہیں۔ ان متعدد حواشی کے علاوہ اپنے شیخ عبد الرزاق کے حالات میں فارسی زبان میں مناقب رزاقیہ کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی۔

ستر سال سے زائد عمر پاکر جمعرات کے روز ۸ جمادی الاخری ۱۱۶۱ھ کو وفات پائی۔

بعض حضرات نے "ملک بود بیک حرکت ملک شد" سے تاریخ وفات نکالی ہے۔[۱]

مولانا محمد سعید سہالوی

الشیخ محمد سعید سہالوی بن الشیخ قطب الدین شہید انصاری سہالوی کے دوسرے لڑکے تھے۔ یہ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شامل تھے۔ علم و فضل میں یکتا تھے۔ موضع سہالی میں پیدا ہوئے اور وہیں عمر کی ابتدائی

---

[۱] تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۸۲ تا ۳۸۰ (بحوالہ الرسالۃ القطبیہ وسبحۃ المرجان) نیز ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۲۴۱، ۲۴۲۔

منزلیں طے کیں۔ اپنے والد شیخ قطب الدین شہید سے اخذ علم کیا اور کئی سال ان کی صحبت میں بسر کیے۔ باپ کی شہادت کے بعد سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے پاس گئے، ان دنوں وہ بلادِ دکن میں تھا۔ اس سے باپ کی شہادت سے متعلق واقعہ بیان کیا۔ اس نے ان کو لکھنؤ شہر میں ایک رفیع الشان محل عطا کیا، جو اس سے قبل ایک افرنگی تاجر کے پاس تھا اور جسے چھوڑ کر وہ اپنے وطن واپس چلا گیا تھا۔ اس بنا پر اسے فرنگی محل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد سعید عالمگیر سے مل کر سہالی گئے، اہل و عیال، بہن بھائی اور اعزہ و اقارب کو ساتھ لیا، مال و متاع سمیٹا اور لکھنؤ (فرنگی محل) میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ بعد ازاں دارالخلافہ میں جا کر عالمگیر سے ملے۔ انتہائی باحیا، صاحبِ عفت اور عالم باعمل تھے۔ یہ وہ عالم دین تھے جنھوں نے فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔ عین عالم شباب میں شاہ عالم کے عہدِ حکومت میں فوت ہوئے[۱]

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"ملا محمد سعید سہالوی پسرِ دوم ملا قطب الدین الشہید، بعد شہادتِ پدرِ خود با محضر مظلومی جہتِ استغاثہ و دادرسی بحضور محی اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ، بملکِ دکن رفتہ، از بارگاہِ شاہِ موصوف، فرمانِ معافی فرنگی محل کہ از امکنۂ مشہورۂ بلدۂ لکھنؤ بود، حاصل نمودہ مراجعت بوطن کردہ بذریعۂ اہالیانِ نزول تعمیل فرمانِ مذکور بر فرنگی محل قبضہ نمودہ۔ ہمہ فرزندانِ ملای شہید را در آں جا مقیم ساخت۔ بعد چندی مرۃً بعد اولیٰ بغرضِ استحکام فرمانِ معافی فرنگی محل وغیرہ بخدمت بادشاہ روانہ شدہ، بحصول اسناد دیگر کامیاب شدہ۔ آں را روانہ وطن کردہ، بمکۂ معظمہ رفتہ بلحوقِ عوارضِ جسمانی ازیں عالمِ فانی بملکِ جاودانی خرامیدہ۔

نزول امکنۂ لاوارث و منضبطہ را بہ محاورہ اہلِ دفتر لکھنؤ گویند"[۲]

یعنی ملا محمد سعید سہالوی، ملا قطب الدین شہید کے دوسرے بیٹے تھے۔ اپنے والد کی شہادت کے بعد محضرِ مظلومی لے کر بغرضِ استغاثہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں ملکِ دکن گئے اور بادشاہ کی بارگاہ سے فرنگی محل کی معافی کا فرمان

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۳۱۰، ۳۱۱ (بحوالہ آثار الاول اور الرسالۃ القطبیہ)

[۲] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۰

جو لکھنؤ کی مشہور عمارات میں سے تھا، حاصل کیا اور وطن واپس جاکر لوگوں کے ذریعے فرمان مذکور کی تعمیل میں، فرنگی محل پر قبضہ کیا اور ملائے شہید کے تمام بیٹوں کو اس میں آباد کیا۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ فرنگی محل کے فرمان معافی کے استحکام کے لیے بادشاہ کی خدمت میں گئے اور دوسری اسناد حاصل کرکے، ان کو وطن بھیجا اور خود مکہ معظمہ تشریف لے گئے، وہیں بیمار ہوئے اور ملکِ جاودانی کو سدھارے!

نزول۔ لکھنؤ کی دفتری زبان میں لاوارث اور منضبطہ زمین کو کہتے ہیں۔

چند معاشی مسائل اور اسلام

سید یعقوب شاہ

اسلامی ممالک صدیوں کی نیند کے بعد بیدار ہوئے ہیں اور ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑے ہونے اور آگے بڑھنے کے لیے انھیں جدید مسائل کو حل کرنا اور معاشرہ کے نئے تقاضوں کا ساتھ دینا ہے اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنی اجتہادی بصیرتوں کو بروئے کار لائیں اور عصرِ حاضر کے مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں غور کرکے ایسی راہ اختیار کریں جو اسلامی احکام کے مطابق ہو اور دورِ جدید کے مسلم معاشرے کی ضروریات بخوبی پوری کرسکے۔ یہ کتاب لکھنے میں اسی مقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف جناب سید یعقوب شاہ پاکستان کے آڈیٹر جنرل اور حکومت مغربی پاکستان کے وزیر مالیات تھے۔ وہ اقتصادیات کے بھی ماہر ہیں اور دینی علوم سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ انھوں نے ربٰو، زکوٰۃ، بیمہ جیسے زندہ اور اہم مسائل پر اظہارِ خیال کیا ہے اور کتاب و سنت، تاریخ عمرانیات اور اقتصادیات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نتائج فکر سلیس انداز میں قلم بند کیے ہیں۔

صفحات: ۲۵۹ - قسم اول: ۶/۵۰، قسم دوم: ۵/: روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور